تابِش صدیقی

تِین مُسلمان سَیّاح

المسعودی کے سفر کا راستہ

اندازاً ۸۹۲ء ——— ۹۵۶ء

اَلمَسعُودِی

المسعودی اسلامی تاریخ کے ایک ایسے فرزند کا نام ہے جو علمِ جغرافیہ، تاریخ اور اس کے ساتھ سیاحت کے میدان میں بھی بہت مشہور ہے ۔ یہ نام صدیوں تک گمنامی کے پردوں میں رہا ۔ اس کی لکھی ہوئی کتابیں علمی دنیا کی نگاہ سے چھپی رہیں اور اس کے سفری کارنامے سے بھی دنیا والے بے خبر رہے ۔ آخر بیسویں صدی عیسوی میں بعض کتب خانوں میں اس کی چند کتابیں ملیں ۔ ان سے اس کے سفروں، اور اس کی لکھی ہوئی کتابوں کا پتا چلا کہ اس نے کہاں کہاں کا سفر کیا اور کون سا علمی ورثہ اپنی یادگار چھوڑا ۔

اس کا پورا نام ابوالحسن بن علی المسعودی تھا ۔ وہ رسولؐ اللہ کے مشہور صحابی حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اولاد سے تھا ۔ اس لئے المسعودی کہلایا ۔ اس کے بچپن اور نوجوانی کے زمانے کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغداد میں پیدا ہوا ۔ وہیں تعلیم پائی ۔ اس کی تاریخ پیدائش بھی معلوم نہیں ہے ۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ نویں صدی عیسوی کی آخری دھائی کے شروع میں ہوئی ۔ بعض مصنّف اس کی تاریخ پیدائش ۸۹۲ء کے لگ بھگ بتاتے ہیں ۔ لیکن یہ ان کا اندازہ ہے ۔ بہر حال وہ ابھی نوجوان ہوا ہی تھا کہ دنیا کی سیاحت کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا ۔

جس زمانے میں المسعودی نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اُس وقت عباسی دَور کے دو سو سال گزر چکے تھے ۔ خلیفہ ھارون الرّشید اور خلیفہ مامون الرّشید کے سنہرے عہد کو گزرے ہوئے بھی سو سال سے زیادہ ہو چکے تھے ۔ مگر عبّاسی دَور کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دل میں علم و ہنر کی جو لگن پیدا ہوئی تھی اس میں ابھی کمی نہیں آئی تھی ۔ چنانچہ المسعودی نے ایسے معاشرے میں پرورش پائی جس میں علم حاصل کرنے کے لئے سیر و سیاحت کو بھی ضروری ذریعہ سمجھا جاتا تھا ۔ اگر اس زمانے کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ اس وقت مسلمان ملکوں کے سینکڑوں مسلمان سیّاح دنیا کی سیر کر رہے تھے ۔ اور اپنے مشاھدے اور تجربے کتابوں میں درج کر رہے تھے ۔ ان میں سے اکثر نے بہت شہرت پائی ۔ مسلمان سیّاحوں کی سیاحت کا سلسلہ پندرھویں صدی عیسوی تک جاری رہا ۔

ان سینکڑوں سیّاحوں میں بعض تو محض تجارت کی غرض سے اپنے گھروں سے نکلے تھے ۔ ان کو صرف اپنی خوشحالی کیلئے دولت کی تلاش تھی ۔ کچھ ایسے تھے کہ ان کے سامنے صرف دنیا کے مختلف ملکوں کی سیاحت تھی تاکہ معلوم کریں کہ

خدا کی پھیلی ہوئی دنیا میں کیسے کیسے عجائبات بکھرے پڑے ہیں ۔ مگر المسعودی ایک ایسا شخص تھا جو صرف علم کی تلاش میں گھر سے نکلا تھا ۔ اس کا مقصد نہ تجارت تھا اور نہ صرف سیاحت ہی تھا ۔ وہ سیاحت اور تجربے کے ذریعے علم کی تلاش کے لئے گھر سے نکلا تھا ۔

اس نے ایک سائنس داں کا مزاج اور تاریخ داں کا قلم پایا تھا ۔ وہ مؤرّخ کی حیثیت میں پہلے مؤرّخوں سے مختلف تھا کیونکہ اس کا مزاج سائنسداں کا تھا ۔ وہ سمجھتا تھا کہ تاریخ اور جغرافیہ کا آپس میں گہرا ناتا ہے ۔ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ۔ کیونکہ ملکوں کی تاریخ پر ان کے جغرافیائی حالات کا اثر پڑتا ہے اور ان حالات کی وجہ سے قوموں کی تاریخ بنتی اور بگڑتی ہے ۔ اس لئے ایک مؤرّخ کے واسطے ضروری ہے کہ لکھتے وقت ملک کے جغرافیائی حالات کو سامنے رکھے ۔ اور چونکہ کسی ملک کے جغرافیائی حالات وہاں جاکر مشاہدہ کرنے سے بہتر طور پر معلوم ہوسکتے ہیں، اس لئے المسعودی کے نزدیک سیاحت مؤرّخ کے لئے ضروری ہوجاتی ہے ۔ چنانچہ المسعودی نے اپنی عمر کے پچیس سال مختلف ملکوں کی سیاحت میں گزار دیئے ۔

اگرچہ المسعودی سے پہلے بھی کئی مسلمان مؤرّخ ہوئے ہیں ، مگر اس کا تاریخ لکھنے کا انداز پہلے مؤرّخوں سے مختلف تھا ۔ پہلے واقعات کو تاریخ وار بیان کیا کرتے تھے ۔ المسعودی نے واقعات کو خاندانوں اور بادشاہوں کے ساتھ وابستہ کر کے اس طرح پیش کیا کہ وہ تاریخ کے ادوار کا حصّہ بن گئے ۔ اس نے واقعات کا تجزیہ بھی کیا ۔ اور ان پر مختلف پہلوؤں سے روشنی بھی ڈالی ۔ اس طرح وہ مؤرّخوں میں ایک الگ حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے بعد کے مؤرّخوں میں ابنِ خلدون نے اسی کے اصولوں کو سامنے رکھ کر تاریخ لکھی، اسے اپنا امام تسلیم کیا اور تاریخ کی وہ عظیم کتاب اپنی یادگار چھوڑی جسے مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی ایک مثالی تاریخ سمجھتی ہیں ۔

المسعودی کو یورپ اور امریکہ کے مصنّف اسلام کا "ہیرو ڈوٹس" کہتے ہیں ۔ واضح رہے ہیرو ڈوٹس یونان کے پہلے مؤرّخ کا نام ہے اور چونکہ یورپ والے ہر بات میں اپنے آپ کو بے مثال قرار دیتے ہیں، اس لئے اُنہیں اگر کسی غیر یورپی کے کارناموں کی تعریف کرنی ہو تو اسے اپنے بے مثال آدمی کے برابر رتبہ دے دیتے ہیں ۔ اس نسبت سے یورپ والوں کے نزدیک المسعودی اسلام کا ہیرو ڈوٹس کہلاتا ہے ۔ گویا المسعودی اسلامی تاریخ کا باوا آدم ہے ۔

المسعودی نے نوجوانی ہی میں سیاحت شروع کی ۔ اس کے گھر سے نکلنے کا سال ۹۱۲ء بیان کیا جاتا ہے ۔ پہلے سفر پر روانہ ہونے کے بعد جب وہ بصرہ پہنچا تو اس کی ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو ایک مشہور سیّاح بن چکا

تھا ۔ اس کا نام ابو زید سیرافی ہے ۔ بصرہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد المسعودی ”بحرِ زنج“ سے گزر کر بحیرۂ عرب سے ہوتا ہوا پاک و ہند میں داخل ہوا ۔ یہاں اس نے دو سال سیاحت میں گزارے ۔ اس علاقے کے جغرافیئے، لوگوں کے مذہبی عقیدوں، ان کے رہن سہن کے طریقوں اور ان کے اخلاق کا بھی مطالعہ کیا ۔

المسعودی نے ”سفر نامے“ کے نام سے کوئی الگ کتاب نہیں لکھی ۔ اس کے سفروں کے حالات اس کی مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ ان سے بعض دفعہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس علاقے میں کس سَن یا سہینے میں موجود تھا ۔

پاک و ہند کی سیاحت کے سلسلے میں اس نے جن جگہوں کا ذکر کیا ہے ان میں ملتان، سندھ کا مشہور قدیم شہر منصورہ، بمبئی کے علاقے میں کھمبایت اور اس کے چند شہر شامل ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے پاک و ہند کی دو سال کی سیاحت کے دوران وہ ان شہروں میں زیادہ دن ٹھہرا ۔

جب وہ ملتان کا ذکر کرتا ہے تو اس کی مراد ملتان کے صوبے سے ہوتی ہے ۔ چنانچہ اس نے ملتان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ملتان میں ایک لاکھ پچیس ہزار گاؤں آباد ہیں۔اسی طرح منصورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں ایک لاکھ گاؤں آباد ہیں ۔ یہاں منصورہ سے اس کی مراد موجودہ صوبۂ سندھ ہے ۔ المسعودی کے زمانے میں منصورہ سندھ کا دارالحکومت تھا ۔ اس نے سندھ اور ملتان کو اسلامی ملکوں کی سرحد لکھا ہے ۔ اس کے مطابق ہندوستان سے ملتان آئیں تو یہ پہلا اسلامی ملک ہے جو راستے میں آتا ہے ۔

اس نے ملتان شہر کا بھی ذکر کیا ہے اور یہاں کے ایک بُت کے بارے میں بھی لکھا ہے ۔ یہ سورج دیوتا کا بُت تھا ۔ اس نے لکھا ہے ”اس بُت کی پُوجا کی جاتی ہے ۔ ہزاروں ہندو دُور دُور کے علاقے سے اسے پُوجنے آتے ہیں ۔ ہندوستان کے راجاؤں کو چونکہ ملتان کی اسلامی حکومت ایک آنکھ نہیں بھاتی، اس لئے اسے ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ۔ مگر جب فوج لے کر اسے فتح کرنے آتے ہیں تو ملتان کے حکمراں انہیں دھمکی دیتے ہیں کہ اگر حملہ کیا گیا تو بُت توڑ دیا جائے گا ۔ یہ دھمکی کارگر ہوتی ہے اور ہندو راجے اپنی فوجیں واپس لے جاتے ہیں “

ملتان کے ایک بُت خانے اور اس میں رکھے ہوئے ایک بُت کا ذکر محمد بن قاسم کے حملے کے سلسلے میں بھی آتا ہے ۔ بیان کرتے ہیں جب محمد بن قاسم نے ملتان فتح کر لیا اور ایسے بُت خانے کا علم ہوا تو اس نے بُت توڑنے کا حکم دے دیا ۔ مگر

شہر کے پنڈتوں کے ایک وفد نے اس سے درخواست کی کہ بُت توڑا نہ جائے۔ محمد بن قاسم نے ان کی درخواست مان لی ۔ مگر ایک گائے ذبح کر کے اس کی ایک ھڈی اس بُت کے گلے میں لٹکا دی تا کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بُت کو عقیدت کی وجہ سے نہیں توڑا گیا ۔ کہتے ھیں یہ بُت لکڑی کا بنا ہوا تھا ۔ اس کے جسم پر کھال لپٹی ہوئی تھی اور آنکھوں کی جگہ دو لعل لگے ہوئے تھے ۔ معلوم ہوتا ھے المسعودی نے جس بُت کا ذکر کیا ھے وہ یا محمد بن قاسم کے زمانے ھی کا بُت تھا یا اس کا جانشین۔ المسعودی کے بعد البیرونی نے بھی ملتان کے بُت خانے کے بُت کا ذکر کیا ھے ۔ مگر یہ الگ داستان ھے ۔

منصورہ محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے بعد آباد ہوا تھا - اس کے بارے میں المسعودی نے لکھا ھے ”یہ شہر ایک اموی خلیفہ منصور کے نام پر آباد کیا گیا ۔ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے آباد ھے ۔“ المسعودی نے پہلی بار ھاتھی یہیں دیکھے ۔ یہاں کے حکمراں کے تھان پر اکاسی (۸۱) ھاتھی موجود تھے ۔ المسعودی نے جب منصورہ دیکھا، یہ ایک خوشحال شہر تھا ۔ علم و فن اور دستکاری کا مرکز تھا ۔ یہاں سندھی مسلمانوں کے علاوہ عرب ملکوں کے تاجر اور مختلف طبقوں کے لوگ آباد تھے ۔

سندھ سے گزر کر المسعودی ہندوستان کے موجودہ صوبہ بمبئی میں داخل ہوا ۔ اس نے اس صوبے میں دُور دُور کے شہروں کی سیاحت کی اور ان شہروں میں موجودہ شہر ”تھانہ“ کا ذکر کیا ھے۔ مگر زیادہ تفصیل سے شہر چیمور کا ذکر کیا ھے - چیمور کے بارے میں لکھا ھے ”یہاں دس ہزار مسلمان بستے ھیں ۔ ان مسلمانوں میں ہندوستانی مسلمانوں کے علاوہ جو نو مسلم ھیں یا ان کی اولاد ھیں، عمان، سیراف، بصرہ، بغداد اور بہت سے دوسرے اسلامی ملکوں کے باشندے بھی ھیں ۔ ان میں خاصی تعداد ان لوگوں کی ھے جو تجارت کی غرض سے یہاں آئے ہوئے ھیں۔“

المسعودی کے ایک اور بیان سے معلوم ہوتا ھے کہ چیمور کے مسلمانوں کا معاشرہ ہندوؤں سے بالکل الگ تھا ۔ انہوں نے اپنی الگ حیثیت قائم رکھی تھی ۔ چنانچہ راجا نے ان کے اثرورسوخ اور مطالبے پر یا اپنی رواداری کی وجہ سے ان کی الگ حیثیت تسلیم کی ہوئی تھی ۔ ان کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے انہی میں سے مسلمان افسر مقرر کر رکھے تھے ۔ اس طرح ایک ہزار سال قبل ہندوستان کے اندر ایک چھوٹا سا پاکستان بنا لیا گیا تھا ۔ جو اس امر کا ثبوت تھا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ھیں ۔

المسعودی نے ہندوستان میں سیاحت کا خاصا وقت کھمبایت میں گزارا، خاص کر چیمور کے مسلمانوں کے پاکستان میں رہ کر ۔ وہ وہاں کے مسلمانوں

میں اس طرح گُھل مِل گیا کہ نہ خود اسے اور نہ وہاں کے مسلمانوں کو اس کے پردیسی ہونے کا گمان ہوتا تھا ۔ اور ہو بھی کیسے سکتا تھا ! عباسی دَور کے معاشرے اور چیمور کے مسلمانوں کے معاشرے میں فرق ھی کیا تھا ! اور پھر چیمور کے مسلمان بھی اس کے اپنے بھائی تھے ۔ چنانچہ وہ ان کے درمیان آکر اپنے آپ کو پردیسی نہیں سمجھتا تھا تو اس میں اچنبھے کی کونسی بات ھے ۔

چیمور کھمبایت کا شہر تھا ۔ اس علاقے کی سر سبزی اور شادابی میں المسعودی کو دجلہ اور فرات کی جھلک دکھائی دی اور خلیجِ کھمبایت کو دیکھ کر دریائے نیل یاد آگیا ۔ چنانچہ اس نے لکھا ھے کہ "خلیجِ کھمبایت دریائے نیل سے مِلتی جُلتی ھے ۔ خلیج کے کنارے شہر آباد ھیں ۔ شہروں اور خلیج کے ساحل کے درمیان باغ ھیں ۔ باغوں میں ناریل کے درخت ھیں ۔ ان باغوں میں رنگ برنگے پروں والے مور پَر پھیلا کر ناچتے نظر آتے ھیں ۔ درختوں کی ٹہنیوں پر ہرے ہرے طوطے دکھائی دیتے ھیں ۔"

المسعودی اپنی سیاحت میں جہاں بھی گیا ، وہاں کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کیا ۔ یعنی وہ جہاں بھی گیا ، ادھورا مشاھدہ نہیں کیا ۔ اس کا ثبوت ایک معمولی سے واقعے سے ہو سکتا ھے ۔ ایک دن وہ سمندر کے ساحل پر کھڑا جوار بھاٹا کا تماشا دیکھ رہا تھا ۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک کتّا بھی جوار بھاٹے کا تماشا دیکھ رہا تھا ۔ سمندر کی اونچی اونچی لہریں ساحل کی طرف آتیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس چلی جاتیں ۔ اتنے میں ایک اونچی لہر ساحل کی طرف آئی اور اتنی تیزی سے آئی کہ کتّے کو جان بچانے کے لئے بھاگنے کا بھی موقع نہ ملا ۔ وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا ۔ لیکن بھاگنے نہ پایا تھا کہ لہر نے اسے آلیا اور اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئی ۔ بے چارہ کتّا پانی میں ڈوب گیا ۔

پاک و ھند میں دو سال گھُومنے پھِرنے اور یہاں کے جغرافیائی اور معاشرتی حالات سے واقف ہونے کے بعد اس نے خراسان کا رُخ کیا ۔ یہاں کے قیام کے زمانے میں ایران، کرمان اور وسطی ایشیا کا بھی سفر کیا ۔ اس نے بڑے بڑے شہر دیکھے ۔ خراسان کے بارے میں اس نے لکھا "یہ بُھر بُھرے پہاڑوں کا ملک ھے ۔ یہاں جنگل ھیں اور جھاڑیوں کی بہتات ھے ۔ جنگلوں میں سانپ بہت پائے جاتے ھیں ۔ مگر ان سے بچاؤ کا بھی قدرت نے انتظام کر رکھا ھے ۔ وہ یوں کہ یہاں خار پُشت بہت پایا جاتا ھے جو سانپوں کا دشمن ھے ۔" واضح رھے خارپُشت خرگوش کی قسم کا ایک جانور ھے جو قد میں بڑے خرگوش کے برابر ہوتا ھے ۔ خرگوش کی طرح ھی اس کی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں ہوتی ھیں ۔ مگر اس کے جسم پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ھیں ۔ وہ ان کانٹوں کو خطرے کے وقت اوپر اٹھا لیتا ھے اور جب خطرہ ٹل جاتا ھے انہیں نیچے گرا لیتا ھے ۔ ان کانٹوں کے ذریعے وہ اپنی حفاظت کرتا ھے ۔ اگر سانپ اسے ڈسنا چاھے تو ڈس نہیں سکتا ۔ خود زخمی ہوجاتا ھے۔ سانپ اس سے ڈرتا ھے اور اسے دیکھ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ھے ۔

المسعودی نے خراسان کے ایک خاص سانپ کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اس سانپ کے دو سر لکھے ہیں - ایک تو عام سر کی طرح ہے - دوسرا اس کی دُم کی طرف ہوتا ہے - چنانچہ اس کے دو منہ ہیں اور یہ دونوں مونہوں سے ڈس سکتا ہے -

یہ سانپ غالباً وہی سانپ ہے جسے پاکستان میں "دو مونہی" کہتے ہیں - سانپ کی یہ قسم پنجاب کے بعض علاقوں میں عام پائی جاتی ہے - ممکن ہے المسعودی نے اسے بھی پہلی بار دیکھا ہو، ورنہ اس کا ذکر بطور خاص نہ کرتا -

المسعودی کی طبیعت میں تلاش اور مشاہدہ کس حد تک تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے :

اس نے اپنے زمانے کے جغرافیہ دانوں سے سنا تھا کہ دنیا میں بعض ایسے دریا بھی ہیں جو بہتے بہتے ریگستانوں میں گم ہو جاتے ہیں، مثلاً وسطی ایشیا کے دو دریا جیحوں اور سیحوں - المسعودی جب کرمان پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ یہاں کا دریا "زندہ رود" ایسا ہی دریا ہے - وہ اس بات کا جھوٹ سچ پرکھنے کے لئے اس جگہ پہنچا جہاں یہ ریگستان میں گم ہوجاتا تھا - اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دریا واقعی ریت میں گم ہو رہا ہے - اس کے بعد وہ اس مقام پر پہنچا جہاں یہ پھر زمین سے باہر نکلتا اور اس کے بعد سمندر میں جا گرتا تھا -

المسعودی نے اس دریا کے بارے میں سُنا تھا کہ ایک بار ایک ایرانی بادشاہ نے ایک تختی پر نہ مٹنے والی روشنائی سے کچھ لکھ کر اس تختی کو اُس مقام پر پانی میں پھینک دیا جہاں دریا ریت میں گم ہو رہا تھا - یہ تختی بادشاہ کو اس جگہ سے ملی جہاں دریا پھر زمین سے باہر نکل رہا تھا -

المسعودی کی کتاب "مروج الذّاہب" میں اس کی بلخ کی سیاحت اور وہاں کے ایک عبادت خانے کا بھی ذکر ملتا ہے - اس عبادت خانے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اہلِ بلخ نے جب مکۂ معظمہ اور وہاں مسلمانوں کے حج کا ذکر سنا تو مکۂ معظمہ کے طرز پر اپنے ملک میں ایک کعبہ بنانے کی کوشش کی - چنانچہ انہوں نے یہ عبادت خانہ بنایا اور اس کا نام "نو بہار" رکھا - اکثر سیّاحوں نے جو اس طرف آئے اس عبادت خانے کا بھی ذکر کیا ہے - کسی نے اس کو "آتش کدہ" اور کسی نے "بت خانہ" لکھا ہے - ایک سیّاح کے مطابق اہلِ عجم اس عبادت خانے کی زیارت کو آتے تھے، جسے حج کہا جاتا تھا - اس نام نہاد حج پر آنے والے شخص کو ریشم کا کپڑا پہنایا جاتا تھا - عبادت خانے کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد تھا جو ایک سو ہاتھ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا - عبادت خانے کے چاروں طرف پُجاریوں کے حُجرے تھے جن کی تعداد تین سو ساٹھ تھی - ان پُجاریوں کے سردار کو "برمکہ" یعنی "مکّہ والا" کہا جاتا تھا (بغداد کے بر مکی ایسے ہی ایک پُجاری کی اولاد تھے) - پُجاریوں کی تعداد سال کے دنوں کے حساب سے

تین سو ساٹھ تھی - ہر دن کے لئے ایک پُجاری مقرّر تھا - شاید اُن دنوں ایک سال میں تین سو ساٹھ دن شمار ہوتے تھے۔ اس سیّاح کے بیان کے مطابق چین اور کابل کے بادشاہ بھی اس مذہب کے پیرو تھے - جب وہ یہاں آتے تو سجدہ کرتے -

اس عبادت خانے کے بارے میں المسعودی نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ '' نوبہار '' کی عمارت پختہ اور بلند تھی - اس کے اوپر نیزوں پر سبز ریشم کے جھنڈے لہراتے تھے اور ہر جھنڈے کا کپڑا ایک سو ہاتھ کے برابر ہوتا تھا - اس کے چاروں طرف کی دیواریں بھی ایسی ہی بلند تھیں - اس کے جھنڈے کا ریشمی کپڑا اتنا بڑا تھا کہ دُور دُور تک جاتا تھا -

المسعودی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے مڈغاسکر اور چین کا بھی سفر کیا تھا - چین کے سفر کا ثبوت اس کے ان بیانات سے ملتا ہے جو اس کی کتاب '' مروج الذاهب '' میں چین کے بارے میں ہیں - بعض مغربی مصنّف یہ نہیں مانتے کہ اس نے چین کا سفر کیا تھا - ان کا خیال ہے کہ اس نے چین کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سُنی سُنائی باتیں ہیں جو اس نے کسی دوسرے سیاح سے سنیں اور انہیں اپنی کتاب میں نقل کر دیا ۔ حقیقت کچھ بھی ہو، اُس نے '' مروج الذاهب '' میں چین، چینیوں کے مذہب، ان کی عبادات، ان کے رسم و رواج، ان کے بادشاہوں کی خوبیوں، ان کے اخلاق، چین کی کشتیوں کی عمان اور سیراف میں آمد و رفت، چین کے دریاؤں اور مُشکی ہرن کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور جس انداز میں لکھا عالموں کی نظر میں اس کی اهمیت بہت زیادہ ہے - چنانچہ بہت سے علماء جب چین اور مشرقی ملکوں کا ذکر کرتے ہیں تو المسعودی کی تحریروں کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کے قول پیش کرتے ہیں -

افریقہ انیسویں صدی کے آخر تک تاریک برّاعظم سمجھا جاتا رہا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں دنیا کو بہت کم علم تھا - اگر کچھ علم تھا تو صرف یہی کہ یہ ایک بہت بڑا برّاعظم ہے ۔ اس میں سینکڑوں ریگستان ہیں، بڑے بڑے جنگل ہیں جن میں شیر، ہاتھی، گینڈے اور کئی قسم کے وحشی جانور پائے جاتے ہیں - بڑے بڑے لمبے چوڑے دریا ہیں اور یہاں آدم خور بستے ہیں -

شاید برّاعظم افریقہ کی اسی شہرت کی وجہ سے بہت کم سیّاحوں کو ادھر آنے کی جرأت ہوئی - انیسویں صدی عیسوی میں جب مغربی قوموں نے عیسائیت کی تبلیغ کے لئے اس برّاعظم کو تاکا اور یہاں تہذیب پھیلانے کے لئے عیسائی مبلّغ بھیجنے شروع کئے تو ان مبلّغوں کی جرأت اور ہمت کے لمبے لمبے قصیدے مدتوں پڑھے گئے - اور ان کے سفروں کو عظیم کارنامے قرار دیا گیا -

ان عیسائی مبلّغوں نے اُس زمانے میں اس برّاعظم کا سفر کیا جب سفر کے سلسلے میں کچھ سہولتیں دنیا کو میسر آگئی تھیں - مثلاً دریائی سفروں کے لئے

بھاپ سے چلنے والی کشتیاں بن گئی تھیں۔ چنانچہ ان کے ذریعے یہ لوگ افریقہ کے دریاؤں کا سفر آسانی سے کرتے رہے - پھر پُرانے زمانے کی تلواروں اور نیزوں سے بہتر ہتھیار ایجاد ہوچکے تھے - بندوق کا رواج عام ہو چکا تھا - اس طرح انسان درندوں اور وحشیوں کے حملوں سے اپنی حفاظت بہتر طور پر کرنے کے قابل ہوچکا تھا - چنانچہ افریقہ کے سفروں میں پیش آنے والے خطرات کی اہمیت بہت حد تک کم ہوچکی تھی -

انیسویں صدی عیسوی سے ایک ہزار سال پہلے کا برّاعظم افریقہ اگر انیسویں صدی سے زیادہ تاریک نہیں، تو کم تاریک بھی کیا ہوگا - مگر اس تاریک اور خطروں سے بھرے ہوئے برّاعظم میں المسعودی نے سیاحت کی - اُس وقت مصر کے علاوہ افریقہ کا کوئی حصّہ دریافت نہیں ہوا تھا - مصر کے علاوہ افریقہ کے سارے حصّے تاریکی کے پردوں میں چھُپے ہوئے تھے ۔ المسعودی نے تاریکی کے ان پردوں کو ہٹانے کی کوشش کی اور افریقہ کے مشرقی ساحلی علاقے تک سیاحت کی - اس علاقے کے جغرافیائی حالات معلوم کئے - بے شمار قیمتی معلومات حاصل کیں - اور انہی معلومات کی روشنی میں گزشتہ پچاس سال میں افریقہ کو دریافت کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں - اس طرح افریقہ کے بارے میں جو نئی نئی باتیں پچھلے پچاس سال میں دریافت ہوئیں یا اب ہو رہی ہیں، ان کے سلسلے میں المسعودی کی کوششوں کو کسی طرح بھُلایا نہیں جاسکتا -

المسعودی نے ایک ہزار سال پہلے مشرقی افریقہ کا سفر کیا - اس علاقے کے باشندوں کے حالات کا غور سے مطالعہ کیا اور ان کے بارے میں چھوٹی چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہ کیا- مثلاً اس نے یہاں تک مشاہدہ کیا کہ یہ لوگ کیا کھاتے ہیں- اس نے لکھا ہے کہ کیلا ان لوگوں کی خاص خوراک ہے ۔ مگر یہ ایک خاص قسم کی کھمبی بھی کھاتے ہیں جو زمین سے نکل آتی ہے - شہد، گوشت اور ناریل بھی ان کی خوراک میں شامل ہے -

اس نے مشرقی افریقہ کے لئے "زنج" کا لفظ استعمال کیا ہے- یہ لفظ عربی زبان میں کالے رنگ کے لوگوں اور حبشیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا - اس نے مشرقی افریقہ کے سمندر کو ۔ 'بحرِ زنج" لکھا ہے اور اس کی وسعت "سفالا" تک بتائی ہے - "واک واک" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں سونا بہت پایا جاتا ہے - اس کے علاوہ کئی عجیب و غریب چیزیں بھی ملتی ہیں - اس نے اس علاقے کی آب و ہوا کو گرم اور زمین کو شاداب اور زرخیز بتایا ہے -

المسعودی عربی زبان کے علاوہ یونانی زبان بھی جانتا تھا - یونانی فلسفے سے بھی ناواقف نہ تھا - مگر وہ کسی بات کو بھی اس کی جانچ پڑتال کے بغیر مان لینے کے خلاف تھا - وہ کہا کرتا تھا "پرانے لوگوں نے جو کچھ کہا ہے

اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ماننا چاہیئے"۔ "پرانے لوگوں" سے اس کی مراد یونانیوں سے تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کے زمانے کے لوگ یونانی فلسفیوں کی ہر بات بے چون و چرا مان لیتے ہیں۔ وہ اس رویّے کے خلاف تھا۔

پچیس برس تک مختلف ملکوں کی سیر کرنے کے بعد اس نے زندگی کے آخری چند سال بصرہ اور فسطاط میں جسے اب قاہرہ کہتے ہیں، گزارے۔ بصرے میں قیام کے زمانے میں اس نے" مروج الذاھب و معدن الجواھر" لکھی۔ اس کتاب میں اس نے مختلف ملکوں میں اپنی سیاحت کے مشاہدے اور تجربے لکھے ہیں۔

فسطاط کے قیام میں اس نے" مرأۃ الزمن" لکھی۔ یہ کتاب تیس (۳۰) جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کا موضوع بھی پہلی کتاب والا ہے، یعنی سیاحت۔ مگر اس میں جغرافیہ، تاریخ اور معاشرتی حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے "مروج الذاھب" کا خلاصہ تیار کیا۔ یہ بھی کئی جلدوں میں ہے۔ "مروج الذاھب" کو بحرالعلوم یعنی علموں کا سمندر سمجھا جاتا ہے۔

المسعودی نے دو سو کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں تاریخ، جغرافیہ، نجوم، موسمیات، فلکیات، مذہب، فلسفہ اور کائنات کے بارے میں ہیں۔ ایک کتاب میں ایک باب خلیجِ فارس سے موتی نکالنے اور ایک باب زہروں کے بارے میں ہے۔ ان موضوعوں سے اس کے علم کے وسیع ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے جس موضوع پر چاہا قلم اٹھایا اور بے جھجک لکھا۔

کہتے ہیں اس نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ وہ بہت تیز لکھتا تھا۔ اس نے زندگی بھر کے تجربے کو دو سو کتابوں میں جمع کیا۔ مگر چند کتابوں کے علاوہ اس کی باقی سب کتابیں ضائع ہو گئیں۔ جو کتابیں بچ گئیں وہ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مل جاتی ہیں۔

المسعودی کو اپنے ہم عصروں سے شکایت رہی کہ وہ اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ ان کے اس رویّے کو تعصب قرار دیتا تھا۔ مگر آخر اس کی شکایت دُور ہوئی اور اس کی وہ کتابیں جو نسبتاً مختصر تھیں لوگوں کی نظر میں آئیں اور اسے اس کی زندگی ہی میں مؤرّخ کی حیثیت سے مان لیا گیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ ابنِ خلدون نے اسے اپنا امام تسلیم کیا اور اس کے اصولوں پر چل کر تاریخ پر ایک عظیم کتاب لکھی۔

المسعودی کو اپنے سفروں پر بہت ناز تھا۔ ان سفروں میں اس نے ھسپانیہ کو چھوڑ کر ساری اسلامی دنیا اور مشرق کے کئی ملکوں کی بھی سیاحت کی تھی۔ ان ملکوں میں اس نے ہزاروں انسانوں سے ملاقات کی۔ ان کے خیالات سے واقف ہوا۔ اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کئے۔ ان سے بحث مباحثے کئے اور اسطرح جو

تجربے حاصل ہوئے انہیں "مروج الذّاھب و معدن الجواھر، مرأة الزّمن" اور اپنی دوسری کتابوں میں درج کیا - جن لوگوں سے اسکی ملاقات ہوئی ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے -

المسعودی نے زندگی بھر کوئی گھر نہ بنایا - وہ بغداد میں پیدا ہوا - ملکوں ملکوں گھوما - بغداد کا رستہ بھول گیا - مگر بغداد کو نہ بھولا - وہ بغداد کو اپنی منزل قرار دیتا تھا - لیکن چند سال مصر کے شہر فسطاط میں بسر کر کے ۹۵٦ء میں وھیں کی مٹی میں دفن ہوا - ع نگری نگری پھرا مسافر، گھر کا رستہ بھول گیا -

وہ اپنا موازنہ عربی شاعر بوتمیم کی ایک نظم کے ایک افسانوی کردار "القادر" سے کیا کرتا تھا - اور کہا کرتا تھا :-

"میں القادر کا جانشین ہوں - کسی کا جی چاہے تو بے شک کہیں اپنا گھر گھاٹ بنا لے - میرا گھر تو سرخ اونٹ کی پُشت پر ہے - میری منزل بغداد ہے اور دوست فسطاط میں ہیں -"

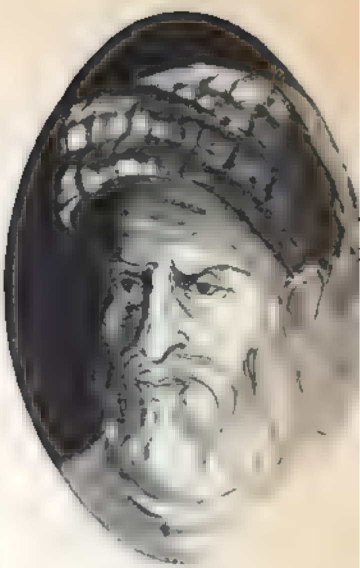

البیرونی

۱۹۷۳ء میں دنیا کے مختلف ملکوں میں ایک بڑے آدمی کا یومِ پیدائش منایا گیا ۔ یہ اس شخص کا ہزارواں یوم پیدائش تھا ۔ اس موقعے پر ۲۶ نومبر سے ۱۲ دسمبر تک جلسے کئے گئے ۔ ان جلسوں میں دنیا کے بڑے بڑے عالموں نے حصّہ لیا ۔ پاکستان میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح اس بڑے آدمی کی ہزارویں سالگرہ بہت شاندار طور پر منائی گئی ۔ یہ البیرونی کی ہزارویں سالگرہ تھی ۔

البیرونی کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے ۔ ان کی کتابیں آج بھی دنیا کے کُتب خانوں میں ملتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں ۔ علم کی دنیا میں ان کی جو عزّت ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے ۔

البیرونی کا نام محمد تھا ۔ ان کے باپ کا نام احمد تھا ۔ ابوریحان ان کا لقب تھا ۔ البیرونی ان کو اس واسطے کہتے تھے کہ وہ شہر خوارزم کے ایک باہر کے محلّے میں پیدا ہوئے تھے ۔ اس طرح ان کا پورا نام ابوریحان محمد بن احمد البیرونی الخوارزمی تھا ۔ مگر علم کی دنیا میں " ابوریحان البیرونی " اور صرف " البیرونی " کے نام سے مشہور ہیں ۔

یہ ۴ ستمبر ۹۷۳ء کو پیدا ہوئے ۔ اس وقت خوارزم ایک چھوٹی سی آزاد ریاست تھی ۔ آج کل یہ علاقہ روسی ترکستان میں شامل ہے ۔ اور اسے خیوہ کہتے ہیں ۔

البیرونی کے ماں باپ ایرانی تھے ۔ ان کی مادری زبان فارسی تھی ۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم خوارزم ہی میں پائی ۔ انہیں بچپن ہی سے علم کی لگن تھی ۔ اسی زمانے میں انہوں نے فارسی اور عربی سیکھنے کے بعد یونانی زبان بھی سیکھنی شروع کی ۔ انہوں نے ایک جگہ اپنے تعلیم کے شوق کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار ایک یونانی طبیب خوارزم آیا اور کچھ دن وہاں ٹھہرا ۔ یہ ہر روز اس کے پاس جاتے ۔ مختلف جڑی بوٹیاں ساتھ لے جاتے ۔ ان کے یونانی نام معلوم کرتے اور ایک کاغذ پر لکھ لیتے ۔

یہ ایک واقعہ ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ انہیں علم حاصل کرنے کا کتنا شوق تھا ۔ انہوں نے جوان ہونے سے پہلے ہی ضروری علم حاصل کر لیا تھا ۔ بعض علمی مسئلوں پر اس زمانے کے عالموں سے خط و کتابت بھی کی ۔ ان میں بُو علی سینا کا نام خاص کر ذکر کے قابل ہے ۔ بُو علی سینا اور البیرونی ایک ہی زمانے میں ہوئے ہیں ۔ بُو علی سینا ، البیرونی سے تقریباً دس سال چھوٹے تھے ۔

البیرونی کے سفر کا راستہ

البیرونی کے ماں باپ غریب تھے - ان کے پاس دولت نہیں تھی کہ اس کے سہارے ان کا بیٹا اپنی زندگی آرام سے گزار سکتا - چنانچہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد البیرونی کو کسی مالی سہارے کی ضرورت تھی - ان کے علم اور قابلیت کی کچھ شہرت پھیل گئی تھی - اسے سُن کر خوارزم کے نزدیک کی ایک ریاست جرجان کے بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا - اس ریاست کے حکمراں کا نام شمس المعالی قابوس بن دشمیگر تھا -

جرجان کا بادشاہ بہت پڑھا لکھا انسان تھا اور ادیب بھی تھا - اس نے البیرونی کے لئے ہر سہولت اور ہر قسم کے آرام کا انتظام کیا - انہیں اپنے محل میں ٹھہرایا - چنانچہ وہ دنیا کے جھگڑوں دھندوں سے الگ تھلگ رہ کر لکھنے پڑھنے کے کام میں لگ گئے ، اور اپنی ایک مشہور کتاب " آثارالباقیہ " یہیں بیٹھ کر لکھی -

" آثارالباقیہ " تاریخ کی کتاب ہے - اس کی حیثیت دنیا کی تاریخ کی ہے - اس میں پرانی قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں - البیرونی کی کتابوں میں اسے بہت قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پرانی قوموں کے حالات جاننے کے لئے اس کتاب سے مدد لی جاتی ہے -

اگرچہ البیرونی کو جرجان میں لکھنے پڑھنے کے لئے سکون حاصل تھا ، لیکن اسے جرجان چھوڑنا پڑا - اس کی وجہ بادشاہ کی طبیعت کی سختی تھی -

البیرونی جرجان چھوڑنے کے بعد خوارزم کے بادشاہ کے دربار میں شامل ہو گئے - خوارزم کے بادشاہ " مامون " نے ان کی بہت عزّت کی اور وہ پھر لکھنے پڑھنے کے کام میں لگ گئے - یہاں انہوں نے خوارزم کی تاریخ لکھی مگر انہیں خوارزم بھی چھوڑنا پڑا - اب وہ سلطان محمود غزنوی کے دربار میں آگئے -

بات یوں ہوئی کہ سلطان محمود غزنوی اور خوارزم کا بادشاہ مامون ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار تھے - ان میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی - پھر دونوں میں جنگ ہوئی - محمود غزنوی نے خوارزم فتح کر لیا - چنانچہ البیرونی بھی جنگی قیدی بن کر غزنی پہنچے - مگر جب محمود کو اس کا علم ہوا تو اس نے انہیں اپنے دربار میں بلا لیا - اس طرح البیرونی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچ گئے -

غزنی میں البیرونی کی بہت قدر ہوئی - بادشاہ نے انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا - البیرونی اور سلطان محمود غزنوی کا وہی تعلق تھا جو ارسطو اور سکندرِاعظم کا تھا - یعنی وہ سلطان محمود کے صلاح کار تھے - ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں میں وہ اس کے ساتھ رہے -

وہ محمود کے دربار میں ایک نجومی کے طور پر پہنچے تھے - چنانچہ ایک دو دفعہ محمود نے ان کا امتحان بھی لیا - اور وہ اس میں پورے اُترے -

بیان کرتے ہیں ، محمود کا دربار لگا ہوا تھا کہ اس نے البیرونی سے پوچھا "بتائیے میں دربار سے اٹھوں گا تو دیوان کے کون سے دروازے سے باہر جاؤں گا؟"

دیوان کے چار دروازے تھے - البیرونی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب لکھ کر بادشاہ کے تخت کے نیچے رکھ دیا - اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ ایک دیوار توڑ کر پانچواں دروازہ بنایا جائے - جب یہ دروازہ بن گیا تو وہ اس دروازے سے نکل کر باہر چلا گیا - اور جب البیرونی کا جواب پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ سلطان ایک نیا دروازہ بنوائیں گے اور اس سے باہر جائیں گے -

ایک بار دربار میں بیٹھے بیٹھے محمود نے حکم دیا کہ البیرونی کو شہر کی فصیل سے نیچے خندق میں گرا دیا جائے - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - مگر البیرونی موت سے بچ گیا - بادشاہ نے پوچھا " کیا آپ کو علم تھا کہ آپ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے گا؟ " البیرونی نے بعض کاغذات منگوائے اور سلطان کو دکھائے - ان میں ایک جگہ لکھا تھا " ایک دن سلطان مجھے شہر کی فصیل سے خندق میں گرائیں گے - مگر ایسا انتظام کریں گے کہ میں فصیل سے گر کر نہ مروں - " دراصل سلطان نے فصیل کے نیچے ایسا ہی انتظام کیا تھا - چنانچہ البیرونی کو کوئی چوٹ نہ لگی - اس طرح فصیل سے گر کر بھی ان کی جان بچ گئی -

محمود غزنوی کے ہاں البیرونی کی کتنی عزّت تھی، اس کا پتا ایک واقعہ سے چلتا ہے جو نیچے لکھا جاتا ہے -

ایک دن ترکستان کے علاقے کا ایک سیّاح محمود غزنوی کے دربار میں آیا - اس نے قطبِ جنوبی تک سفر کیا تھا - بات چیت میں اس نے کہا " قطبِ جنوبی میں سمندر پار سورج کی ایک گردش ایسی بھی ہوتی ہے کہ وہاں رات بالکل نہیں ہوتی - " سلطان نے یہ بات سُنی تو اسے اسلامی عقائد کے خلاف خیال کیا، کیونکہ دن رات ہر جگہ ہوتے ہیں - کسی ایک علاقے میں رات کا نہ ہونا، محمود کو بُرا لگا - چنانچہ سیّاح پر کفر کا الزام لگایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا -

محمود کے دربار کے ایک عالم نے یہ حکم سُنا تو سلطان کے پاس جا کر کہا " حضور یہ سیّاح کی رائے نہیں، بلکہ اس کا مشاہدہ ہے۔" اس کے بعد اس عالم نے سورہ کہف کی آیت ۹۰ پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے " اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا پایا کہ ہم نے اس کے سامنے اس کے لئے پردہ نہیں بنایا۔ " سلطان نے البیرونی کی رائے لی - البیرونی نے عالم کی رائے کو درست قرار دیا اور سیّاح کی جان بچ گئی -

ترکستان کے اس سیّاح کا نام کوئی نہیں جانتا، حالانکہ اس نے محمود غزنوی کے عہد میں یا اس سے پہلے قطبِ جنوبی کی سیر کی ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قطبِ جنوبی کے بارے میں اپنا مشاہدہ کیسے بیان کر سکتا تھا؟

البیرونی کے دل میں محمود غزنوی کی بے حد عزّت تھی - اس نے محمود کے عہد کی تاریخ لکھی اور جہاں بھی محمود کا ذکر آیا، اس کے ساتھ عزّت کے کلمات اور القاب لکھے -

البیرونی ہر وقت علم کی تلاش میں رہتے تھے - انہوں نے اپنی عمر کے دس گیارہ سال ہندوستان میں بھی گزارے - وہ ہندوستان میں صرف علم حاصل

کرنے آئے اور اجمیر میں رہنے لگے ۔ انہوں نے یہاں ہندوؤں کے کئی علم حاصل کئے ۔ اس سلسلے میں اگرچہ انہیں کئی مشکلوں اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا ، پھر بھی وہ ان سے نہ گھبرائے بلکہ علم کی تلاش جاری رکھی ۔

ہندوستان پر سلطان محمود کے حملوں کی وجہ سے بہت سے ہندو پنڈت جنگی قیدی بن کر غزنی میں پہنچ گئے تھے ۔ البیرونی کی ان سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ اور اس طرح اس کے دل میں ہندوستان کی سیر کرنے اور یہاں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ چنانچہ اس نے محمود سے ہندوستان آنے کی اجازت لی اور ہندوستان آگئے ۔

اس زمانے میں ہندوؤں سے علم حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا ۔ سب سے بڑی مشکل جس سے ایک مسلمان کو گزرنا پڑتا تھا یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کو "ملیچھ" یعنی پلید سمجھتے تھے ۔ ان کے سائے سے بھی بچتے تھے ۔ ان کی نظر میں مسلمانوں کا درجہ اچھوتوں سے بھی نیچے تھا ۔ پھر محمود کے حملوں کی وجہ سے ہندوؤں کے پنڈت جو علم کے ٹھیکے دار سمجھے جاتے تھے علم کے مرکزوں سے دُور دُور بھاگ گئے تھے اور اپنی کتابیں بھی ساتھ لے گئے تھے ۔ اس کے علاوہ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ ان کا علم سنسکرت زبان میں تھا۔

البیرونی ہندوستان پہنچ کر اجمیر میں رہنے لگے اور سنسکرت زبان سیکھنی شروع کی ۔ وہ بہت جلد اس زبان میں ماہر ہوگئے ۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہندوستان کی کئی اور زبانیں بھی سیکھیں ۔ علم کی تلاش میں ہندوستان کے چھوٹے برّاعظم کے مختلف علاقوں کے سفر بھی کئے ۔ سندھ اور پنجاب کے دُور دراز کے علاقوں میں بھی پہنچے ۔ انہیں جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ اجمیر سے سینکڑوں میل دُور بھی ایک ہندو پنڈت موجود ہے جس سے کوئی علمی مسئلہ حل ہو سکتا ہے ، تو فوراً سینکڑوں میل کا سفر کر کے اس کے پاس پہنچتے اور علم کی پیاس بُجھاتے۔

ہندو پنڈتوں نے پہلے تو انہیں ملیچھ ہی سمجھا ۔ مگر آہستہ آہستہ انہیں اپنے پاس آنے اور بیٹھنے کی اجازت دے دی ۔ جب ان کا دل کسی قدر ان کی جانب سے صاف ہوا اور وہ کُھل کر ان سے بات چیت کرنے لگے تو البیرونی نے وہ زبانیں انہیں سکھانی شروع کردیں جو وہ خود جانتے تھے ۔ مثلاً یونانی ، عبرانی ، فارسی ، عربی ، ترکی ، سریانی اور شامی زبانیں ۔

ہندو پنڈتوں نے ان سے صرف یونانی زبان سیکھنے کی کوشش کی ۔ اور اس کے بدلے میں البیرونی نے ان سے سنسکرت سیکھی اور بھگوت گیتا کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ اور عربی ترجمے میں وہ خوبیاں قائم رکھیں جو اصل کتاب میں موجود تھیں ۔ انہوں نے ہندوؤں کے مذہب ، فلسفہ ، نجوم اور ریاضی کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور دس بارہ سال کی محنت کا نچوڑ اپنی مشہور تصنیف "کتاب الہند" میں شامل کیا ۔

"کتاب الہند" میں البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب، فلسفہ، ان کی سماجی زندگی غرض کہ ان کی تہذیب کے ہر پہلو پر بے لاگ روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح انہوں نے ہندوستان اور ہندو دھرم پوری غیر جانب داری کے ساتھ اسلامی ممالک میں پیش کیا - ایک غیر ملکی مصنف کی رائے میں۔ "یہ ہندوؤں کی خوش قسمتی تھی کہ ایک حق پرست عالم نے ان کی تہذیب اور سماجی زندگی کی سچّی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، جسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا - اس کے مشاہدے کی بعض معمولی باتوں سے اختلاف ہوسکتا ہے، مگر عام طور پر اس نے غیر جانبداری سے کام لیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے۔"

محمود غزنوی کے سترہ حملوں میں سے فتحِ سومنات اس کی زندگی کا سب سے بڑا معرکہ خیال کیا جاتا ہے۔

سومنات ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک مندر تھا جس کے بُت کو سب بُتوں کا راجا سمجھا جاتا تھا۔ یہ مندر کیسے بنا اور سومنات کے بُت کی کیا حیثیت ہے، اس کے بارے میں البیرونی نے ہندو دیو مالا کی ایک کہانی لکھی ہے جو یہ ہے :-

چاند نے پرجا پتی کی چار بیٹیوں سے شادی کر لی - مگر ان میں ایک سے زیادہ محبت کرنے لگا - یہ بات پرجا پتی کو بُری لگی - اس نے چاند کو سمجھایا کہ سب بیویوں سے برابر کا برتاؤ رکھے - مگر چاند نے اس کی بات نہ مانی - اس پر پرجا پتی نے چاند کو بد دعا دی اور اسے کوڑھ ہو گیا - اب چاند پریشان ہوا - اپنے کئے پر پچھتایا اور گناہ پر توبہ کی - لیکن پرجا پتی کی بد دعا کا اثر ختم نہ ہوا - آخر پرجا پتی نے چاند کے کوڑھ کو آدھے ماہ کے لئے دُور کرنے کا وعدہ کیا - لیکن شرط یہ رکھی کہ وہ مہا دیو کے ایک خاص نشان کے نام پر ایک مندر بنائے تاکہ چاند کا گناہ دُھل جائے - چاند نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر سرسوتی ندی سے ۶۸ م کلومیٹر کے فاصلے پر مندر بنایا - اس میں ایک بُت رکھا جس کا نام "سومنات" ہے - سومنات کے معنی ہیں "چاند کا خادم" - "سوم" کے معنی چاند اور "ناتھ" کے معنی خادم ہیں - اس بُت کو محمود غزنوی نے گُرز مار کر توڑ دیا - اس کا ایک ٹکڑا غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے رکھ دیا گیا اور دوسرا ٹکڑا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا -

سومنات کے سلسلے میں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غزنی کی جامع مسجد کے سامنے سومنات کا ٹکڑا رکھا گیا تھا وہ پاکستان قائم ہونے تک وہاں موجود رہا مگر پاکستان قائم ہونے کے دو ایک سال بعد ۵۰-۱۹۴۹ء میں اسے افغانستان کی حکومت نے بھارت کی حکومت کے حوالے کر دیا - اور بھارت کی حکومت نے سومنات کے مندر کو پھر سے درست کیا اور افغانستان سے سومنات کے آئے ہوئے ٹکڑے سے نیا بُت تراش کر مندر میں رکھ دیا ۔ اس موقعے پر ایک بہت بڑا جلسہ بھی بھارت کی حکومت کی طرف سے کیا گیا ۔

البیرونی نے ہندو دھرم کا پوری طرح مطالعہ کیا - انہوں نے بہت شوق سے ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں بھی پڑھیں جن میں سومنات کی وہ کہانی بھی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے - وہ ہندوؤں کے ساتھ خوب کُھل مِل کر رہے - اس سارے تجربے کو انہوں نے چند فقروں میں لکھا ہے :—

" ہندوؤں کا خیال ہے کہ دنیا میں ان کے ملک جیسا کوئی ملک نہیں ہے - ان کی قوم جیسی کوئی قوم نہیں ہے - ان کے بادشاہوں جیسا کوئی بادشاہ نہیں ہے - ان کے مذہب جیسا کوئی مذہب نہیں ہے اور ان کے علوم جیسے علوم کہیں بھی نہیں ہیں - ان میں گھمنڈ بہت زیادہ پایا جاتا ہے - وہ اپنے آپ پر اترانے والے ، بے حس اور شیخی خورے ہیں - ان کے خیال کے مطابق دنیا میں ان کے ملک کے سوا کوئی ملک نہیں ہے اور ان کے سوا انسانوں کی کوئی نسل بھی کہیں آباد نہیں ہے ، اور جتنا علم ان کا ہے اس کے برابر علم رکھنے والا دنیا میں کبھی کوئی پیدا ہی نہیں ہوا - ان کے غرور کا حال یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے ملک کے علاوہ کسی اور ملک مثلاً خراسان میں صحیح عالم اور علم پایا جاتا ہے تو وہ ایسی بات کہنے والے کو جھوٹا کہہ دیں گے - "

البیرونی ہندوستان میں دس بارہ سال رہنے کے بعد واپس غزنی چلے گئے - اور محمود غزنوی کی وفات تک جو ۱۰۳۰ء میں ہوئی اس کے دربار میں رہے اور کتابیں لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا -

سلطان محمود کے بعد اس کی سلطنت سلطان مسعود غزنوی کے حصّے میں آئی - جب وہ سلطان بنا تو البیرونی اس کے دربار کا رکن بنا - سلطان مسعود بھی ان کا بڑا قدر داں تھا - مسعود کو نجوم کا شوق تھا - چنانچہ اس کے بارے میں البیرونی سے سوالات کرتا رہتا تھا - البیرونی عربی میں اس کے سوالوں کے جواب دیتے - کچھ عرصے کے بعد البیرونی نے علمِ نجوم کی ان بحثوں کو کتاب کی صورت دے دی - اس کتاب کی خوبی یہ تھی کہ یہ نہایت سادہ زبان اور عام فہم طریقے سے لکھی گئی اور اس میں نجوم جیسے مشکل علم کو اس طرح پیش کیا گیا تھا کہ ایک عام آدمی بھی اسے سمجھ سکتا تھا -

ہندوستان میں رہائش کے زمانے میں البیرونی نے ایک کتاب " قانونِ مسعودی " کے نام سے بھی لکھی - اسے انہوں نے سلطان مسعود کو پیش کیا تو مسعود نے ان کو ایک ہاتھی کے وزن کے برابر چاندی انعام میں دی - مگر جب یہ انعام البیرونی کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے قبول نہ کیا کہ مجھے اتنی دولت کی ضرورت نہیں اور علم کو دولت کا غلام نہیں بنایا جا سکتا - اس درویشی کی مثال بہت کم ملے گی -

البیرونی نے ساری عمر علم کی تلاش میں گزاردی - انہوں نے کوئی نئی تو دنیا دریافت نہیں کی - وہ کوئی بڑے سیّاح بھی نہ بنے جس نے عمر کا آدھا حصّہ دنیا کی سیاحت میں گزارا ہو - ان کی سیاحت ہندوستان کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک ہی رہی جہاں وہ کسی نہ کسی پنڈت سے کوئی علمی مسئلہ حل کرنے

کے لئے گئے - جن شہروں کا انہوں نے سفر کیا وہ آج کل کے ہندوستان اور پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں - ان سفروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ہندوستان کو دریافت کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا - ان کا کارنامہ ہندوستان کی دریافت ہے -

پاکستان سے البیرونی کا ایک خاص تعلق بھی ہے - وہ قلعہ پاکستان میں اسلام آباد سے تقریباً ۹۰ کلو میٹر پر ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادن خان کے ایک قصبے نندانہ میں ہے جہاں انہوں نے زمین کے نصف قطر کا حساب لگایا اور دنیا کو بتایا کہ زمین کا نصف قطر ۶۳۳۸۴۸۰ کلو میٹر ہے -جدید پیمائش ۶۳۵۳۴۹۸ کلو میٹر ہے۔ اس حساب میں اور زمین کے صحیح نصف قطر میں صرف پندرہ کلو میٹر کا فرق ہے -زمین کے محیط کی پیمائش بھی انہوں نے یہیں کی تھی - انہوں نے حساب لگا کر بتایا کہ زمین کا محیط ۳۹۸۶۹ کلو میٹر ہے -جدید تحقیق کی رُو سے یہ محیط ۳۹۹۹۶ کلو میٹر ہے - اس طرح ان کے حساب میں اور زمین کے صحیح محیط میں صرف ۱۲۷ کلو میٹر کا فرق ہے -

البیرونی نے تقریباً ساری عمر کتابیں لکھنے میں گزار دی - انہوں نے آخری عمر میں اپنے ایک دوست کو خط لکھا کہ میں نے ایک سو تیرہ کتابیں لکھی ہیں۔ بعض عالموں کے خیال میں البیرونی نے ایک سو اسی کتابیں لکھی ہیں - یہ کتابیں نجوم، تاریخ، نباتات، ادویات، زمین کے حالات، فلسفہ، جغرافیہ اور شاعری کے بارے میں ہیں - بیان کیا جاتا ہے وہ شاعر بھی تھے - مگر ان کی شاعری کا کوئی نمونہ پیش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کی اکثر کتابوں کی طرح ان کے شعر بھی ضائع ہو گئے ہیں - مگر ان کا شاعر ہونا کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اُس زمانے میں ہر پڑھا لکھا انسان شاعر بھی ہوتا تھا اور شاعر کو معزّز سمجھا جاتا تھا -

البیرونی کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے ستّائیس کتابیں دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں - ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی اپنے زمانے سے صدیوں آگے تھے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے وقت سے صدیوں پہلے پیدا ہوگئے - انہوں نے ایسی ایسی باتیں دریافت کیں کہ آج کل کے عالم فاضل حیران رہ جاتے ہیں -

البیرونی وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے زمین کے گھیر کا حساب لگانے کا ایک نہایت سادہ طریقہ معلوم کیا - انہیں یقین تھا کہ زمین گول ہے اور سُورج کے گرد گھومتی ہے - انہوں نے زمین کا ایک کُرّہ (گلوب) بھی بنایا تھا اور یہ خیال بھی پیش کیا کہ زمین پر مختلف زمانے آتے اور بدلتے رہتے ہیں - خشکی سمندر میں ڈوب جاتی ہے - سمندر بھی سوکھ جاتے ہیں - چنانچہ خشکی نکل آتی ہے - ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کا چھوٹا برِّاعظم کبھی سمندر تھا - جب سمندر سوکھ گیا تو یہ چھوٹا برِّاعظم نکل آیا -

البیرونی نے زمین کی پیمائش کے مختلف طریقے نکالے ، اور حساب لگا کر قبلے کی درست سمت معلوم کرنے کا طریقہ بھی معلوم کیا - انہوں نے زمین کی عمر بھی معلوم کی اور یہ وہی ہے جو آج کل درست مانی جاتی ہے - انہوں نے دھاتیں نکالنے کے لئے زمین کی پہچان کے طریقے بھی بیان کئے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کس قسم کی زمین میں کون سی دھات موجود ہے -

البیرونی کی کتاب "آثارالباقیہ" جس کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے بہت مشہور کتاب ہے - یہ کتاب انہوں نے ستائیس سال کی عمر میں لکھی - یہ دنیا کی تاریخ سمجھی جاتی ہے - اس میں انہوں نے انسان کے پیدا ہونے کے وقت سے تاریخ بیان کی ہے - طوفانِ نوحؑ کے زمانے کے حالات اور مختلف زمانوں کے حالات لکھے ہیں - پھر بابل کے بادشاہ بخت نصر اور سکندرِ اعظم کا بھی پورے طور پر ذکر کیا ہے - ان کے زمانے کا ہر مشہور تاریخی واقعہ بیان کیا ہے اور اسے ہر پہلو سے جانچا ہے - ہر قوم کے مشہور راہنماؤں، بہادروں اور عالموں کا ذکر کیا ہے - اس کتاب میں انہوں نے یونانی، عرب اور ایرانی جنتریوں کے طریقوں پر بھی بحث کی ہے - یہ کتاب دنیا کی تہذیبوں کی تاریخ ہے -

البیرونی کی ساری زندگی طالبِ علم کی زندگی تھی - انہوں نے اس حدیث کی روح پر عمل کیا کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ہی جانا پڑے - چنانچہ انہوں نے عمر بھر علم حاصل کیا - جس سے مِلا، جہاں سے مِلا، علم حاصل کیا - پینتالیس سال کی عمر میں سنسکرت سیکھی اور ہندوؤں کے علوم حاصل کئے اور ان علوم میں اتنے ماہر ہوگئے کہ ہندو پنڈتوں نے ان کو "ودیا ساگر" کا خطاب دیا - اس کے معنی ہیں "علم کا سمندر"- وہ واقعی ہر لحاظ سے علم کا سمندر تھے -

علم کی تلاش اور علم حاصل کرنے کے سفر میں انہوں نے شادی بھی نہ کی - تمام عمر کنوارے رہے - دراصل علم کی تلاش کے سفر میں انہیں شادی کرنے کی مہلت ہی نہ ملی - ان کے دوست ان سے اکثر کہا کرتے تھے کہ "تم شادی نہ کرو گے تو تمہارا نام کیسے زندہ رہے گا؟" اس کے جواب میں وہ کہا کرتے "میری لکھی ہوئی کتابیں میری اولاد ہیں - یہی میرا نام زندہ رکھیں گی-"

ان کا یہ قول بالکل درست ثابت ہوا - ان کی کتابوں نے جن کی بہت بڑی تعداد زمانے کے ہاتھوں ضائع ہوگئی ان کا نام زندہ ہی نہیں رکھا، بلکہ ہر زمانے میں یہ کتابیں ان کے نام کی چمک دمک بڑھاتی رہیں اور اب ایک ہزار سال گزرنے کے بعد بھی ان کا نام زندہ اور روشن ہے - ان کے علمی کارناموں کی وجہ سے ہر ملک اور ہر قوم ان کو اپنا فرد سمجھتی ہے اور ان کے نام پر فخر کرتی ہے -

ان کے علم کی پیاس کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں - وہ بہت بیمار ہوئے- ان کے ایک دوست خیریت معلوم کرنے آئے - دیکھا کہ بیماری سے بُری حالت ہے، شاید تندرست نہ ہوسکیں - وہ بے ہوش تھے - جب ہوش آیا تو

یک دوست کو سرہانے بیٹھا پایا - کچھ بات چیت ہوئی - انہیں یاد آیا کہ اس دوست سے ایک علمی مسئلے پر کوئی بات کرنی تھی - چنانچہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا - دوست نے کہا " آپ بیمار ہیں - اس مسئلے پر پھر بات ہو جائے گی - " مگر انہوں نے کہا " یہ کہیں اچھا ہوگا کہ میں ایک مسئلے پر کچھ معلوم کرکے مروں، بجائے اس امر کے کہ اس مسئلے پر جانے بغیر مر جاؤں - " دوست نے اس مسئلے پر روشنی ڈالی وہ نہایت غور سے سنتے رہے - ان کے جوابات کو اپنے دماغ میں اچھی طرح بٹھایا - اس کے بعد ان کے دوست ان کی اجازت سے اپنے گھر جانے کے لئے روانہ ہوئے - مگر ابھی ان کے مکان سے باہر نہیں آئے تھے کہ ان کے مکان سے رونے کی آواز آنے لگی - دوست سمجھ گئے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے فوراً واپس پہنچے - ان کا خیال درست تھا - البیرونی فوت ہوچکے تھے - وہ ۱۳ دسمبر ۱۰۴۸ء کو فوت ہوئے - وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۷۵ سال تھی -

ابنِ بطوطہ

مسلمانوں میں بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے اسلام کی چودہ سو سال کی زندگی میں بڑے بڑے کام کئے ہیں ۔ ان میں بہت سوں نے اپنے علم سے دنیا کو مالا مال کیا ۔ ان میں ایسے بھی ہیں جن کی بہادری کی کہانیاں آج بھی زندہ ہیں ۔ ان میں بعض اسلامی حکومت کی سرحدوں کو بڑھا کر دُور دُور تک لے گئے ، اسلام کی طاقت کا باعث بنے اور مسلمانوں کے نام کو چار چاند لگائے ۔

مسلمانوں کے بڑے لوگوں میں چند ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے دنیا گھوم پھر کر دیکھی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا کہ " سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ " یعنی " دنیا کی سیر کرو ۔ " ان لوگوں میں ابنِ بطوطہ کا نام بہت مشہور ہے ۔

ابنِ بطوطہ نوجوان ہی تھا کہ گھر سے نکل کھڑا ہوا اور پچیس سال کے لگ بھگ دنیا کے مختلف ملکوں میں گھومتا پھرتا رہا ۔ اس نے برّ اعظم افریقہ اور ایشیا کے تقریباً سبھی ملکوں کی سیر کی ۔ پہلے جزیرہ نما عرب کے ملکوں میں گیا ۔ وہاں سے مشرقی افریقہ کی سیر کرتا پھر مکّہ معظمہ آگیا ۔ اس کے بعد پھر ایران اور افغانستان سے ہوتا ہوا ہندوستان آیا ۔ یہاں سے نکلا تو جاوا اور سماٹرا کے جزیروں کی سیر کرتا ہوا چین پہنچا اور اس طرح زندگی کے تقریباً پچیس سال دنیا کی سیاحت میں گزار کر واپس اپنے وطن مراکش پہنچ گیا ۔

اس نے اپنے ہر سفر کے حالات بھی لکھے ہیں ۔ اس کا یہ سفر نامہ دنیا کی بڑی کتابوں میں شمار ہوتا ہے اور اسے ایک لحاظ سے تاریخ کا درجہ حاصل ہے ۔ اس میں ابنِ بطوطہ نے بتایا ہے کہ اس زمانے میں ان ملکوں کے سیاسی حالات کیا تھے ، کس طرح حکومت کی جاتی تھی ، لوگوں کے طور طریقے کیا تھے اور وہ کس طرح رہتے سہتے تھے ۔

اس سفر نامے کو آج تک کسی نے بھی شک کی نظر سے نہیں دیکھا اور اسے سچّا مانا گیا ہے ۔ اس کی اہمیت کی وجہ سے دنیا کی سب بڑی بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے ۔

ابنِ بطوطہ کا پورا نام ابو عبداللہ ابنِ بطوطہ تھا ۔ وہ مراکش کے ایک ساحلی شہر طنجہ میں پیدا ہوا ۔ اس کی تاریخِ پیدائش ۲۴ فروری ۱۳۰۴ء بیان کی جاتی ہے وہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوا جس میں علم کا چرچا تھا اور علم حاصل کرنا بہت ضروری خیال کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ بچپن ہی سے اسے علم کی لگن تھی ۔ اس نے بچپن ہی میں رسولِ کریمؐ کا یہ فرمان سُن لیا تھا کہ علم حاصل کرو ، چاہے اس کے لئے چین ہی جانا پڑے ۔ اس کا گھرانہ قاضیوں کا تھا ۔ اس کے بزرگ

ابنِ بطوطہ کے سفر کا راستہ

ملک میں قاضی رہے تھے اور کئی اب تک قاضی تھے ۔ اور انصاف کرنا ان کا کام تھا - بزرگوں کی مثال پر چلتے ہوئے ابو عبداللہ ابنِ بطوطہ نے بھی علم حاصل کیا اور اسلام کا قانون بہت غور سے پڑھا - اسلامی قانون کا علم اس کے سفر میں بہت کام آیا ، کیونکہ کئی ملکوں میں اسے قاضی مقرر کیا گیا ۔

علم کی لگن نے اس کے دل میں گھر سے نکل کر دنیا کو گھوم پھر کر دیکھنے کی خواہش پیدا کی ۔ پھر اس نے اس خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور سفر پر روانہ ہونے کا پروگرام بنایا ۔ اس نے اپنے سفر کی بسم اللہ حج سے کی ۔ ابھی اس کی عمر اکیس بائیس سال ہی کی تھی کہ وہ ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ حج کی نیت سے طنجہ سے نکل کھڑا ہوا ، بالکل اسی طرح جیسے ایک پرندہ ایک صبح اپنے گھونسلے سے کسی نامعلوم منزل کی طرف اُڑ جائے ۔

ابنِ بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ میرا سفر امیرالمومنین ناصرالدین کی مہربانی اور سخاوت سے ممکن ہوا ۔ اس سے اس کی مراد غالباً یہ ہے کہ امیرالمومنین نے اس کی مالی مدد کی اور اس طرح وہ سفر پر روانہ ہونے کے قابل ہوا ۔

وہ حج کے لئے ۱۳۲۵ء میں روانہ ہوا ۔ حج کرنے کے بعد وہ جزیرہ نما عرب کے مختلف ملکوں کی سیر بھی کرنا چاہتا تھا ۔ اس وقت اس کا ارادہ عرب سے آگے جانے کا نہ تھا ۔ مگر اس زمانے میں عرب ملکوں کی سیر بھی کوئی آسان کام نہ تھا - اس وقت سفر کی وہ آسانیاں نہ تھیں جو آج کل موجود ہیں ۔ سفر کے لئے گھوڑے ، گدھے اور اونٹ سے کام لیا جاتا تھا - پکّے راستے اور سڑکیں نہ تھیں ۔ خشکی کے راستوں پر صرف گھوڑے ، گدھے اور اونٹ سے کام لیا جا سکتا تھا ، یا پھر مسافر پیدل چلتے تھے ۔ دریاؤں میں چھوٹی کشتیاں اور سمندروں میں بڑی کشتیاں کام دیتی تھیں - ان پر بادبان ہوتے تھے ۔ سمندروں میں چلنے والی بڑی کشتیوں ہی کو لوگ جہاز کہہ لیتے تھے - ان جہازوں کو بھی ملّاح چپوؤں کے ذریعے کھیتے تھے ۔ وہ سفر جو آج کل گھنٹوں میں طے ہوتا ہے ، ابنِ بطوطہ کے زمانے میں ہفتوں میں طے ہوتا تھا ۔ اور راستے کے خطرے الگ پریشانی کا باعث بنتے تھے -

یہ تھے وہ حالات جن میں ابنِ بطوطہ اپنے سفر پر نکلا ۔

جزیرہ نما عرب اور مشرقِ قریب کے ملکوں کی سیاحت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ابنِ بطوطہ ان ملکوں کے عالموں اور پڑھے لکھے لوگوں سے مل کر ، ان کے پاس بیٹھ کر ان سے علم بھی حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کے خیالات وسیع ہوں اور اس کا علم بڑھے -

ابنِ بطوطہ کو علم حاصل کرنے میں بہت کامیابی ہوئی - حج کرنے سے پہلے وہ مراکش سے نکلنے کے بعد الجزائر ، تیونس ، طرابلس اور مصر گیا ، کیونکہ حجاز

پہنچنے کا راستہ بھی تھا ۔ ان ملکوں میں اس نے وہاں کے عالموں ، بزرگوں اور صوفیوں سے ملاقاتیں کیں ، علمی اور مذہبی معاملوں پر بات چیت کی ۔ ان ملکوں کے مشہور شہروں کی سیر کی ۔ بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دی ، فاتحہ پڑھی ۔ وہ کچھ عرصہ مصر میں ٹھہرا اور وہاں کے مختلف شہروں کی سیر کی ۔ لیکن زیادہ دن اسکندریہ میں رہا ۔ یہ شہر اس زمانے میں علم کا مرکز تھا ۔

ابنِ بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اسکندریہ کی بہت تعریف کی ہے ۔ اس کی اونچی اونچی عمارتوں ، مدرسوں ، باغوں اور دیکھنے والے مقامات کا خوب شوق سے ذکر کیا ہے ۔ اسکندریہ میں جن بزرگوں سے اس کی ملاقات ہوئی ، ان میں سے دو بزرگ خاص کر ذکر کے قابل ہیں ۔

ایک بزرگ کا نام شیخ ابو عبداللہ فارسی تھا ۔ ان کو ولی گنا جاتا تھا ۔ دوسرے بزرگ کا نام برہان الدین اعرج تھا ۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ابنِ بطوطہ سے کہا " تم ہندوستان جاؤ گے ۔ وہاں میرے بھائی سے ملاقات ہوگی ۔ تم میرا سلام ان تک پہنچا دینا ۔ تم میرے بھائی رکن الدین ذکریا سے سندھ اور برہان الدین سے چین میں ضرور ملو گے ۔ ان سے بھی میرا سلام کہنا ۔ "

ابنِ بطوطہ نے جواب دیا " میرا تو ان ملکوں میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔ "

اس پر برہان الدین اعرج نے کہا " نہیں تم ان ملکوں میں ضرور جاؤ گے ۔ "

ابنِ بطوطہ کو یہ سُن کر حیرانی ہوئی ۔ مگر آخر یہی ہوا ۔ وہ ہندوستان ، سندھ اور چین گیا اور برہان الدین اعرج کا سلام ان کے بھائیوں تک پہنچایا ۔

ابنِ بطوطہ کے بیان کے مطابق اس وقت اسکندریہ میں عیسائیوں کا بہت زور تھا چنانچہ جب وہ مکۂ معظمہ پہنچا تو اسے اسکندریہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فساد کی خبر ملی جس میں بہت سے مسلمان شہید کر دئیے گئے تھے ۔

اسکندریہ سے روانہ ہونے کے بعد ابنِ بطوطہ قاہرہ پہنچا ۔ وہاں اس نے جن مقامات کی سیر کی ان میں وہ جگہ بھی ہے جہاں حضرت امام حسینؓ کا سرِ مبارک دفن ہے ۔ اس نے وہاں فاتحہ پڑھی ۔ لوگ آج بھی اس جگہ کی زیارت کو جاتے ہیں ۔ اس نے اہرام بھی دیکھے اور ان سے متعلق اپنے مشاہدے کو اپنے سفر نامے میں شامل کیا ۔

مصر سے روانہ ہونے کے بعد وہ شام سے ہوتا ہوا بیت المقدس پہنچا ۔ بیت المقدس کی زیارت کے بعد وہ بیروت گیا اور وہاں سے ایک قافلے کے ساتھ مدینۂ منوّرہ پہنچ گیا ۔ مدینے سے مکّے پہنچ کر ، حج کے فرائض سے فارغ ہو کر پھر مدینے گیا ۔ وہاں تین سال ٹھہرنے کے بعد پھر سفر پر روانہ ہوا ۔ اور مشرقی افریقہ کے

ساحلی علاقے دیکھتا ہوا تنزانیہ اور عمان کی سیاحت کے بعد ۱۳۳۲ء میں پھر مکہ معظمہ آ گیا۔

اب اس کو گھر سے نکلے ہوئے سات سال ہو چکے تھے - وہ اس عرصے میں سیّاح کی حیثیت سے خاصا مشہور ہو چکا تھا - اس وقت ہندوستان پر سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی، جس کی فیّاضی، علم دوستی اور عقل مندی کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی - ابنِ بطوطہ بھی محمد تغلق کے بارے میں بہت کچھ سُن چکا تھا - اب اس نے ہندوستان جانے کا ارادہ کر لیا۔

اس مقصد کے لئے وہ مختلف ملکوں سے ہوتا ہوا عراق، ترکی، ایران اور افغانستان کی سیر کرتا ہوا اور ان ملکوں کا آنکھوں دیکھا حال لکھتا ہوا ہندوکُش سے گزر کر ہندوستان میں داخل ہوا اور ۱۲ ستمبر ۱۳۳۳ء کو دریائے سندھ کے کنارے پہنچا -

سندھ اس وقت سلطان محمد تغلق کی حکومت کا حصہ تھا۔ ابنِ بطوطہ سندھ کے کونے کونے میں گیا - تقریباً ہر شہر میں گھوما - اس نے یہاں کے ڈاک کے انتظام کی بہت تعریف کی ہے اور اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ "اس ملک (یعنی ہندوستان) میں ڈاک کو برید کہتے ہیں - یہ دو قسم کی ہوتی ہے - ایک گھوڑے کی، دوسری پیادوں کی - گھوڑے کی برید میں ہر چار کوس کے بعد گھوڑا بدلا جاتا ہے - یہ گھوڑے بادشاہ کی طرف سے موجود رہتے ہیں - پیادوں کی ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل میں ہرکاروں کی تین چوکیاں ہوتی ہیں - یہ چوکیاں گاؤں کے باہر ہوتی ہیں - ہر چوکی میں ہرکارے کے پاس دو گز لمبی ایک چھڑی ہوتی ہے، جس کے اوپر کے سرے پر گھنگرو بندھے ہوتے ہیں۔ جب آنے والے ہرکارے کے گھنگرو کی آواز سنائی دیتی ہے تو چوکی میں موجود ہرکارہ سفر کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور آگے بڑھ کر، آنے والے ہرکارے سے ڈاک لے لیتا ہے اور اگلی چوکی کی طرف بھاگ اٹھتا ہے - اس طرح سفر جاری رہتا ہے اور ڈاک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ ڈاک گھوڑوں کی ڈاک سے بھی تیز ہوتی ہے - اسی ڈاک کے ذریعے خراسان کے میوے بھی بادشاہ تک پہنچائے جاتے ہیں اور سیوستان (یعنی سیہون) سے دہلی تک پانچ دن میں ڈاک پہنچ جاتی ہے۔"

چنانچہ جب ابنِ بطوطہ سیوستان پہنچا تو اس کے آنے کی اطلاع بادشاہ تک پہنچا دی گئی - سیہون یا سیوستان سے ابنِ بطوطہ ملتان پہنچا - یہاں آنے سے پہلے اس نے سکھر اور اوچ کی بھی سیر کی - ملتان سے چل کر ایک قصبہ اجودھن آیا، جسے آج کل پاک پٹن کہتے ہیں۔ یہاں اس نے حضرت شیخ فرید الدینؒ شکر گنج کے مزار پر حاضری دی اور ان کے پوتے علاؤالدین موج دریا سے مِلا جو سلطان محمد تغلق کے مرشد تھے -

اجودھن ھی میں ابنِ بطوطہ نے ایک ھندو عورت کو اپنے خاوند کی چتا پر ستی ہوتے دیکھا اور اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہوگیا - اس نے اپنے سفر نامے میں ستی کی رسم کے متعلق بھی اپنے خیالات درج کئے ھیں اور لکھا ھے کہ '' ھندو عورت اپنے خاوند کے مرنے پر اس کی چتا پر جل کر جان دے دیتی ھے - اس رسم کو ستی کہا جاتا ھے - ستی ہونے والی عورت کا خاندان معزز سمجھا جاتا ھے - اگر کوئی بیوہ ستی نہ ہو تو اس کی زندگی موت سے بھی بد تر ہوتی ھے - اس کے خاندان کی عورتیں اسے ذلیل خیال کرتی ھیں اور طعنوں سے اس کی زندگی اجیرن کر دیتی ھیں - اس واسطے ھندو عورت اپنے خاوند کی موت کے بعد زندہ رہنے کی بجائے ستی ہونا پسند کرتی ھے - ''

سندھ کے بعد پنجاب سے گزر کر ابنِ بطوطہ دھلی پہنچ گیا - بادشاہ کو اس کے آنے کی خبر مل چکی تھی - چنانچہ شاھی دربار میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا - بادشاہ نے اس پر نوازشوں کے دروازے کھول دئے - امیروں نے اس کی دعوتیں کیں ، اس کے اعزاز میں محفلیں لگائیں - اس کے سفر کے حالات سنے - عالموں نے اس کے ساتھ علمی بحثیں کیں - پھر بادشاہ نے اسے قاضی مقرر کر دیا - اور اس حیثیت میں اس نے کئی سال کام کیا -

ابنِ بطوطہ نے محمد تغلق کے عہد کا پورے طور پر ذکر کیا ھے اور کسی رُو رعایت کے بغیر اس کے عہد کے حالات کے بارے میں اپنے خیالات بھی لکھے ھیں - ایک طرف تو اس نے بادشاہ کی سخاوت اور علم دوستی کا ذکر کیا ھے ، دوسری طرف اس کی طبیعت کی سختی کے کئی واقعات بھی بیان کئے ھیں -

دھلی میں ابنِ بطوطہ کو ھر قسم کا آرام حاصل تھا - مگر وہ پریشان رھتا تھا - اور اس پریشانی کی وجہ بادشاہ کی سختی تھی - ابنِ بطوطہ کو ھر وقت یہی دھڑکا لگا رھتا تھا کہ نہ جانے کس وقت بادشاہ غصّے میں آکر مجھے کوئی سزا دیدے -

اسی زمانے میں بادشاہ نے چین میں ایک سفارت بھیجنی چاھی - اس نے اس کام کے لئے ابنِ بطوطہ کو چُنا - ابنِ بطوطہ کو اس فیصلے کا پتا چلا تو بہت خوش ہوا - وہ نئے سفر کی تیاریوں میں لگ گیا اور نئے ملک کی سیاحت کے خیال میں مگن رھنے لگا -

اُس زمانے میں ھندوستان اور چین کے درمیان خشکی کا راستہ بہت مشکل تھا ، اس لئے اس نے سمندری راستے سے چین جانے کا ارادہ کیا - وہ دھلی سے ھندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کرتا ہوا مالابار کے ساحل پر کالی کٹ پہنچا - وھاں کے مسلمان تاجروں سے ملاقاتیں کیں اور پھر ایک جہاز میں جزائرِ مالدیپ کی طرف روانہ ہوا - راستے میں جہاز تباہ ہوگیا - پھر ھندو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا - اس کی اپنی جان مشکل سے بچی اور وہ کسی نہ کسی طرح جزائرِ مالدیپ پہنچ گیا -

جزائرِ مالدیپ چھوٹے چھوٹے بے شمار جزیروں کا نام ہے ۔ اُس زمانے میں یہاں کا بادشاہ مسلمان تھا - اس نے ابنِ بطوطہ کو قاضی مقرر کر دیا ۔ مالدیپ کی ساری آبادی مسلمان تھی - اس پر اسے حیرانی ہوئی - جب اس نے اس کی وجہ معلوم کرنی چاہی تو دو بزرگوں نے یہ واقعہ بیان کیا ۔

اس جزیرے میں بُت پرست بستے تھے ۔ ایک روایت کے مطابق ہر مہینے سمندر کی طرف سے ایک جِن آیا کرتا تھا - لوگوں کا دستور تھا کہ جِن کو دیکھتے تو ایک نوجوان کنواری لڑکی کو بناؤ سنگار کر کے جزیرے کے مندر میں پہنچا دیتے جو ساحل پر تھا ۔ جب صبح کے وقت لوگ مندر میں جاتے تو لڑکی کو نہایت بُری حالت میں مُردہ پاتے ۔ لڑکی قرعہ ڈال کر چُنی جاتی تھی - یہ رسم ایک عرصے سے جاری تھی ۔ ایک دن اس جزیرے میں بر بر (مراکش) کے علاقے کا ایک نوجوان مسلمان ابوالبرکات المغربی پہنچا اور ایک بیوہ کے ہاں ٹھہرا - یہ نوجوان حافظِ قرآن تھا - ایک دن جب وہ گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیوہ رو رہی ہے - پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آج قرعہ اس کی بیٹی کے نام نکلا ہے اور وہ جِن کی بھینٹ چڑھ جائے گی ۔ ابوالبرکات نے اس بیوہ سے کہا "تم پریشان نہ ہو - تمہاری بیٹی کی جگہ میں مندر میں جاؤں گا - " اس نوجوان کے داڑھی مونچھ نہ تھی ۔ وہ مندر میں چلا گیا اور وضو کر کے قرآن پڑھنا شروع کر دیا ۔ جِن آیا ۔ اس نے قرآن پڑھے جانے کی آواز سنی اور واپس چلا گیا ۔

صبح ہوئی تو بڑھیا نے دیکھا کہ نوجوان زندہ ہے ۔ لوگوں کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے جس کا نام شنورازہ تھا - بادشاہ نے حالات سنے اور ایک ماہ کے بعد مسلمان ہو گیا ۔ اس کی ساری رعایا نے بھی اسلام قبول کیا ۔ بُت خانے توڑ ڈالے گئے اور ایک مسجد تعمیر کی گئی - مسجد کی محراب پر ایک پتھر لگوایا گیا جس پر یہ کھدا ہوا ہے کہ "سلطان احمد شنورازہ ابوالبرکات المغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا" یہ پتھر آج بھی موجود ہے ۔

ابنِ بطوطہ جزائرِ مالدیپ سے لنکا گیا ۔ وہاں آٹھ ہزار فٹ اونچے ایک پہاڑ پر قدم شریف کی زیارت کی ۔ قدم شریف ایک پتھر پر پاؤں کا نشان ہے ، جس کے بارے میں مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ حضرت آدمؑ کے پاؤں کا نشان ہے - بدھ مت کے پیرو اسے مہاتما بدھ اور ہندو برھما کے پاؤں کا نشان سمجھتے ہیں ۔ یہ نشان ایک فٹ لمبا ہے ۔

ابنِ بطوطہ لنکا سے چل کر جاوا اور سماٹرا سے ہوتا ہوا چین کی پہلی بندرگاہ "زیتون" پہنچا ۔ وہاں سے شاہی انتظام کے ماتحت کئی شہروں کی سیر کے بعد کینٹن پہنچا - وہاں مسلمان خاصی تعداد میں آباد تھے ۔ مسلمان شہر کے ایک حصّے میں رہتے تھے - ان کے لئے ایک شیخ الاسلام اور ان کے مقدموں کے فیصلے کے لئے مسلمان قاضی مقرر تھے ۔ مسلمانوں کو پوری پوری مذہبی آزادی تھی - ان میں عرب ، ایران اور افریقہ کے مسلمان سوداگر بھی تھے اور مقامی چینی مسلمان

بھی ۔ یہاں اس کی ایک ایسے شخص سے بھی ملاقات ہوئی جس کی عمر دو سو سال سے زیادہ بتائی جاتی تھی ۔

ابنِ بطوطہ اس شخص سے ملاقات کے بعد واپس آیا تو چین کے بادشاہ کی طرف سے حکم آ چکا تھا کہ ہندوستان سے آئے ہوئے مہمانوں کو میرے پاس بھیج دو ۔ چنانچہ ابنِ بطوطہ کا قافلہ چین کے دارالسلطنت خان بالق کی طرف روانہ ہوا ۔ راستے میں وہ فن چن فو اور خنسا میں کچھ دن رُکے ۔ یہاں بھی مسلمان آباد تھے اور ان کے لئے شیخ الاسلام اور قاضی مقرر تھے ۔

تقریباً ایک مہینے کے سفر کے بعد ابنِ بطوطہ کا قافلہ خان بالق پہنچ گیا ۔ وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور وہ تحفے اس کی خدمت میں پیش کئے جو محمد تغلق نے اس کے ہاتھ بھیجے تھے ۔ شاہی دربار میں ابنِ بطوطہ کا شاندار استقبال کیا گیا اور اسے کئی دن شاہی مہمان رکھا گیا ۔ ابنِ بطوطہ سے ملاقات کے بعد بادشاہ اپنے ایک چچا زاد بھائی کی بغاوت دبانے کے لئے لڑائی پر چلا گیا ۔ مگر ابنِ بطوطہ کی خاطر تواضع اسی طرح ہوتی رہی ۔

ابنِ بطوطہ کا یہ سفر سفارتی کام کے سلسلے میں تھا ۔ چنانچہ وہ جی بھر کر چین کی سیر نہ کر سکا ۔ صرف چند بڑے بڑے شہر دیکھے ۔ مگر چین میں اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے سفر نامے میں موجود ہے ۔ اس نے لکھا ہے کہ چین میں مسافروں کی دیکھ بھال کا طریقہ بہت اچھا ہے ، ساری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اس نے لکھا ہے :—

"ملکِ چین پُرامن ملک ہے ۔ یہاں مسافروں کے لئے بہت اچھا انتظام ہے ۔ اگر کوئی شخص نو مہینے بھی اکیلا سفر کرتا رہے اور اپنے ساتھ دولت لئے پھرے ، تب بھی اس کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں ، کیونکہ سراؤں کی دیکھ بھال کرنے والی جماعت ایک شہر سے دوسرے شہر تک مسافروں کی جان اور مال کی حفاظت کی ذمّے دار ہے ۔

"یہاں ہر منزل پر ایک سرائے موجود ہے ۔ اس میں ایک افسر رہتا ہے ۔ اس کے ساتھ پیادوں اور سواروں کی ایک جماعت ہوتی ہے ۔ ہر رات یہ افسر اپنے منشی لئے ہوئے سرائے میں آتا ہے ، سرائے میں ٹھہرے ہوئے تمام مسافروں کے نام لکھ لئے جاتے ہیں اور سرائے کو تالا لگا دیا جاتا ہے ۔ جب صبح ہوتی ہے تو وہی افسر پھر آتا ہے اور ایک ایک مسافر کا نام پکارتا ہے ، اس کے بارے میں ضروری باتیں اور اس سامان کی فہرست لکھ لیتا ہے ۔ پھر مسافروں کو اگلی منزل کو روانہ کر دیتا ہے ۔ سپاہی ان مسافروں کے ساتھ جاتے ہیں اور دوسری منزل کے افسر سے رسید لے کر آتے ہیں کہ سب مسافر اور ان کا سامان وصول پایا ۔ اگر کسی منزل کا افسر ایسا نہیں کرتا تو اس سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے ۔ ہر منزل کا یہی دستور ہے اور ان سراؤں میں مسافروں کی ضرورت کی سب چیزیں ملتی ہیں ۔"

ابنِ بطوطہ نے چین کی مصوّری ، صنعتوں اور دستکاریوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔

چینی کے برتنوں کی صنعت کی بہت تعریف کی ہے ۔ تجارت کے بارے میں لکھا ہے کہ ”یہاں درہم الکاغذ (یعنی کرنسی نوٹ) چلتے ہیں جو ہتھیلی کے برابر ہوتے ہیں اور ان پر بادشاہ کی مُہر ہوتی ہے ۔ تاجر سونے چاندی کے سکّوں کی بجائے ان نوٹوں کو پسند کرتے ہیں۔“ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ چین میں پتھر کا کوئلہ استعمال ہوتا ہے ، اس کی شکل سیاہ رنگ کی مٹّی کے ڈھیلوں کی ہوتی ہے ۔

ابنِ بطوطہ ابھی چین ہی میں تھا کہ چین کے بادشاہ کی موت ہو گئی۔ ابنِ بطوطہ نے بادشاہ کا کفن دفن ہوتا دیکھا اور لکھا ہے کہ ” بادشاہ اپنے چچا زاد بھائی کی بغاوت دبانے کے لئے گیا تھا ، مگر خود مارا گیا۔ اس کی لاش اس کے دوسرے رشتہ داروں کی لاشوں کے ساتھ شہر لائی گئی ۔ جب بادشاہ کی لاش آنے کی خبر پہنچی تو شہر کو خوب سجایا گیا ۔ ایک ماہ تک راگ رنگ اور ناچ ہوتا رہا ۔ پھر ایک بڑا سا گڑھا کھود کر اس میں نفیس فرش بچھایا گیا ۔ اس گڑھے میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی گئیں اور وہاں بادشاہ کو لٹا کر گڑھے کا منہ بند کر کے اس پر ایک ٹیلا بنا دیا گیا ۔ ٹیلے کے اوپر ایک بڑی سی لکڑی میں چار مُردہ گھوڑے پرو کر لٹکا دئے گئے۔“

بادشاہ کی موت کے کچھ روز بعد ابنِ بطوطہ نے نئے بادشاہ کی اجازت سے واپسی کے سفر کی تیاری کی ۔ خنسا اور فن چن فو سے ہوتا ہوا زیتون پہنچا اور پھر جاوا سے ہوتا ہوا کالی کٹ آیا ۔ مگر دھلی جانے کی بجائے اپنے وطن روانہ ہو گیا ۔ دھلی اس لئے نہ گیا کہ کہیں بادشاہ کسی بات سے ناراض ہو کر سزا ہی نہ دے دے ۔

اس نے واپسی کے سفر میں بھی اسلامی ملکوں کی سیر کی اور وطن پہنچنے سے پہلے حج ادا کیا اور نومبر ۱۳۴۹ء میں وطن پہنچ گیا ۔ مگر دو سال آرام کرنے کے بعد پھر سفر پر نکل کھڑا ہوا ۔ لیکن یہ سفر زیادہ دُور کا نہ تھا ۔ اب کے اس نے ھسپانیہ کی آخری اسلامی سلطنت کی سیر کی جو اس وقت غرناطہ اور اس کے اِرد گِرد کے علاقے میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد اس نے سوڈان کی سیر کی اور پھر وطن پہنچ کر سفر کے حالات لکھوائے اور سفر نامہ تیار کیا ۔

مراکش کے بادشاہ نے اسے قاضی مقرر کر دیا ۔ چنانچہ اس کی زندگی کے آخری چودہ پندرہ سال قاضی کے عہدے پر گزرے ۔ اس نے ۱۳۶۸ء میں وفات پائی ۔ اسے طنجہ میں دفن کیا گیا ۔

ابنِ بطوطہ نے اپنی عمر کے پچیس سال سفر میں گزارے ۔ اس نے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار چھ سو پچھتّر کلو میٹر سفر کیا ۔ ساٹھ ملکوں کے بادشاہوں سے ملاقات کی اور اس سے دُگنے وزیروں ، امیروں ، عالموں اور بزرگوں سے مِلا ۔ اس نے تقریباً دو ہزار آدمیوں سے دوستی پیدا کی ۔ اور پھر ایک نہایت دلچسپ کتاب یعنی اپنا سفر نامہ یادگار چھوڑ کر وفات پائی ۔

تین مسلمان سیّاح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (دنیا کی سیر کرو) چنانچہ سیاحت شروع ہی سے مسلمانوں کو مرغوب رہی ہے - ان مسلمان سیّاحوں کی بدولت اسلام کا نام دنیا کے دُور دراز گوشوں تک پہنچ گیا - انہوں نے ایک طرف دنیا کے تاریک برِّاعظم افریقہ کو چھان مارا، دوسری طرف مشرقِ بعید کی انتہا سے گزرتے ہوئے چین تک پہنچ گئے - انہوں نے پاک و ہند کے بھی کونے کونے کی سیر کی اور یہاں کی تہذیب و معاشرت سے دنیا کو روشناس کیا - یہ کتاب تین بڑے مسلمان سیّاحوں ـــــ المسعودی، البیرونی اور ابنِ بطوطہ ـــــ کی کہانیاں سناتی ہے - انہیں اُردو کے جانے پہچانے شاعر اور ادیب جناب تابش صدیقی نے پاکستان کے بچّوں کے لئے بہت دلچسپ پیرائے میں لکھا ہے - ہمیں یقین ہے بڑے بھی اس کتاب کو اسی رغبت سے پڑھیں گے -

پہلی اشاعت : ۱۹۷۵ء

جملہ حقوق محفوظ

قیمت : دو روپے

ناشر : نیشنل بُک فاؤنڈیشن

کراچی ـــــ اسلام آباد ـــــ لاہور ـــــ پشاور ـــــ کوئٹہ

طابع : گولڈن بلاک ورکس لمیٹڈ ۔ کراچی